فتح الباری- منہج و اسلوب

محمد سعید شیخ*

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بے حساب و بے شمار احسانات فرمائے ہیں، ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی صلاح و فلاح کے لیے نبوت و رسالت کا مقدس و مبارک سلسلہ جاری فرمایا اور جب انسانوں کو آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو ان ہی میں سے کسی بندہ کو اپنا نبی اور اُن کا ہادی بنا کر اپنی ہدایت کے ساتھ ان میں بھیج دیا۔

انبیاء و مرسلین کی آمد کا سلسلہ ہزاروں سال جاری رہا، یہاں تک کہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ پر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور آپ ﷺ کے ذریعہ وہ آخری اور مکمل تعلیم و ہدایت بھیج دی گئی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کافی ہونے والی ہے۔

خداوندی تعلیم و ہدایت کا جو سرمایہ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ دنیا کو ملا اس کے دو حصے ہیں: ایک کتاب اللہ یعنی قرآن مجید جو لفظاً و معنیً کلام اللہ ہے۔

دوسرے آپ ﷺ کے وہ ارشادات اور آپ ﷺ کی وہ تمام قولی و عملی ہدایات و تعلیمات جو آپ اللہ کے نبی و رسول، اس کی کتاب کے معلم و شارح اور اس کی مرضی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے امت کو دیئے تھے، جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محفوظ رکھ کر بعد والوں کو پہنچایا اور بعد والوں نے اس کو پورے سلسلہ روایت کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کر دیا۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات کے اس حصہ کا عنوان حدیث اور سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو اپنی عمر طبعی گزار کے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن انسانی دنیا کی ہمیشہ کے واسطے رہنمائی کے لیے اپنی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت کے یہ دونوں حصے یعنی قرآن اور سنت اپنے پیچھے چھوڑ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے (اپنے اپنے درجہ کے مطابق) ہر دور میں محفوظ اور روشن رہنے کے ایسے ظاہری و باطنی انتظامات فرمائے کہ غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے وہ ایک بڑی نشانی اور خاتم الانبیاء ﷺ

---

* ریسرچ اسسٹنٹ، علماء اکیڈمی اوقاف، پنجاب۔

کے معجزوں میں سے ایک زندہ معجزہ ہے۔

انہی خداوندی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس دور میں کتاب وسنت کی جس قسم کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے دلوں میں اس کا داعیہ پیدا کر کے ان کو اس طرف متوجہ فرما دیتے ہیں............ عہد نبوی سے لے کر اِس وقت تک قرآن وحدیث کی خدمتیں جن جن شکلوں میں انجام دی گئی ہیں، اگر کوئی تفکر کی نگاہ سے دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہر دور کی ضرورتوں کا ایک خداوندی انتظام تھا اور جن بندوں کے ذریعہ ہوا وہ گویا صرف آلہ کار تھے۔

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں　　　مصلحت راتہمتے برآ ہوئے چیں بستہ اند

ابن خلدون نے کہا تھا: میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ''شرح البخاری دین علی الأمة'' یعنی بخاری کی شرح امت پر قرض ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' کے نام سے بخاری کی شرح لکھی تو اہل علم نے اس حقیقت کا اعتراف کرلیا کہ إنّ ابن حجر أدّی هذا الدين یعنی علامہ ابن حجرؒ نے بخاری کی عظیم الشان شرح لکھ کر امت کی طرف سے یہ قرض اتار دیا۔

آیئے مختصر طور پر اپنے وقت کے اس عظیم مفسر، محدث، فقیہ، متکلم اور مؤرخ کی حیاتِ مبارکہ پر روشنی ڈالیں۔

امیر المومنین فی الحدیث حافظ ابن حجر کی حیات وخدمات

نام ونسب:

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کا نام احمد، کنیت ابوالفضل اور لقب شہاب الدین تھا (۱)۔

امام سیوطی (م:۹۱۱ھ) نے سلسلہ نسب یوں درج کیا: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد بن حجر بن احمد الکنانی (۲)۔

حافظ علیہ الرحمۃ ابن حجرؒ کے لقب سے مشہور تھے، امام سخاوی فرماتے ہیں:

ویعرف بابن حجر وھو لقب لبعض آبائہ (۳)۔

''ابن حجرؒ حافظ موصوف کے آباؤاجداد میں سے کسی کا لقب تھا''۔

ابن العماد حنبلی (م: ۱۰۸۹ھ) رقم طراز ہیں:

الشھیر بابن حجر نسبته إلی آل حجر، قوم تسکن الجنوب الاخر علی بلاد الجرید وأرضھم قابس (۴)۔

ابن حجر آل حجر کے طرف منسوب ہے، آل حجر ایک قوم تھی جو بلاد الجرید کے جنوبی حصہ میں بستی تھی، لیکن ان کا اصلی وطن قابس کا علاقہ تھا۔

بقول یاقوت ''بلاد الجرید'' افریقہ میں ہے، امام شوکانی نے بھی سخاوی کا یہی قول نقل کیا ہے (۵)۔

ابن حجر کی نسبت العسقلانی ہے، عسقلان سرزمین شام کا مشہور شہر ساحل سمندر پر نواحی فلسطین میں واقع ہے، حافظ ابن حجر کے آباؤاجداد کا اصل وطن عسقلان تھا، اسی نسبت سے وہ عسقلانی مشہور ہوئے، حافظ علیہ الرحمۃ کی ولادت چونکہ مصر میں ہوئی اور مصر ہی میں تعلیم وتربیت پائی اس لئے اس نسبت سے المصری القاہری کہلائے۔

حافظ ابن حجر کے خاندان کو علم وتحقیق کے میدان میں بڑی عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ان کے آباؤاجداد نے علوم ومعارف میں بڑی شہرت پائی، وہ سب علم وفضل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے تھے، حافظ ابن حجر کے والد شیخ نورالدین علی کو ابن سید الناس سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور دادا شیخ قطب الدین محمد کو اکابر علمائے حدیث سے روایت کی اجازت حاصل تھی۔

آپؒ کی ولادت اور ابتدائی تعلیم وتربیت:

اکثر سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حافظ ابن حجر کی ولادت ۲۲ شعبان المکرّم ۷۷۳ھ کو مصر قدیم میں ہوئی، البتہ حافظ تقی الدین بن فہد مکی نے تھوڑا سا اختلاف کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ ابن حجر کی ولادت ۲۳ شعبان کو ہوئی (۶)۔ حافظ سیوطی نے تاریخ پیدائش ۱۲ شعبان بتائی ہے (۷)

بہر کیف سن پیدائش میں کسی کو اختلاف نہیں، ابن حجر ابھی چار برس کے بھی نہ ہو پائے تھے کہ ماہ رجب ۷۷۷ھ میں ان کے والد ماجد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے (۸)۔ والد کا سایہء عاطفت اٹھ جانے کے بعد ابن حجر کی کفالت و تربیت مرحوم باپ کے نامزد کردہ وصی شیخ ذکی الخروبی کے سپرد ہوئی اور شیخ موصوف ہی کی زیرنگرانی ابن حجر نے پرورش پائی (۹)۔

پانچ برس کی عمر میں ابن حجر کو مدرسے بھیجا گیا (۱۰)، قدرت نے ذہانت اور ذکاوت کی بخشش میں بڑی فراخدلی اور فیاضی سے کام لیا تھا، قوت حافظہ کی کرشمہ سازیاں بھی کچھ کم تعجب انگیز نہ تھیں، سورہ مریم ایک دن میں زبانی یاد کرلی (۱۱) نو برس کی عمر میں صدر السفلی شارع مختصر التبریزی کی زیر تربیت قرآن مجید حفظ کرلیا (۱۲)۔

حافظ علیہ الرحمۃ کو اپنے کفیل شیخ ذکی الخروبی کے ہمراہ ۷۸۴ھ میں مکہ مکرمہ کے سفر کی سعادت نصیب ہوئی، حجِ بیت اللہ سے فراغت کے بعد وہیں قیام کا موقع میسر آیا اور رمضان المبارک میں قرآن مجید سنانے کی سعادت نصیب ہوئی (۱۳)، خوش نصیبی اور سعادت مندی حافظ علیہ الرحمۃ پر کچھ اس طرح مہربان ہوئی کہ ۷۸۵ھ بھی مکہ معظّمہ میں گزرا، اس قیام کے دوران ابن حجر کو العفیف الشناوری سے ''صحیح بخاری'' کے سماع کا اتفاق نصیب ہوا، یہ پہلا موقع تھا کہ ابن حجر نے کسی استاد سے باقاعدہ حدیث کا سماع کیا (۱۴)۔ ابن حجر کے یہ استاذِ حدیث شیخ عفیف الدین عبداللہ بن محمد بن محمد بن سلیمان دراصل نیشاپور کے رہنے والے تھے، لیکن مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اسی نسبت سے المکی اور النشاوری مشہور ہوئے۔ شیخ عفیف کی ولادت ۷۰۵ھ میں ہوئی تھی، انہوں نے الرضی الطبری سے حدیث سنی اور بڑی کثرت سے حدیث روایت کی، آخری عمر میں قاہرہ چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ حدیث کی تدریس میں مشغول رہے، لیکن پھر مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے، تھوڑے عرصے کے بعد ذوالحجہ ۷۹۰ھ میں دار فانی سے دار بقا کی طرف رختِ سفر باندھا (۱۵)۔

امام ابن حجر کے اساتذہ کرام:

حافظ ابن حجر کو وقت کے بہترین اساتذہ اور شیوخ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا، آپ کے اساتذہ کی فہرست میں ایسے متبحر اور نادر روزگار ماہرین علوم وفنون شامل ہیں کہ جن کی مثال تلاش کرنا

چنداں آسان نہیں۔ابن حجرؒ کی اس سے بڑھ کراور کیا خوش بختی ہوسکتی تھی کہ ایسے ایسے اساتذہ سے تحصیل علم کا موقع ملا جو اپنے اپنے فن میں یکتائے زمانہ تھے، یہ ایسی سعادت تھی جو کسی دوسرے ہم عصر کونصیب نہ ہوسکی۔التنوخیؒ قــراٗت میں بے مثال تھے،العراقی علوم حدیث میں یگانہ روزگار تھے ،حفظ متون میں الھیثمیؒ کا استحضار اور مہارت کسی دوسرے کونصیب نہ ہوا تھا،البلقینی وسعت معلومات اور کثرت اطلاع میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے،ابن الملقن علم حدیث میں کثیر التصانیف تھے،مجد الدین فیروز آبادی لغت کے حافظ اور امام تھے،الغماری اور المحب بن ہشام عربیت اوراس کے متعلقات میں یکتائے زمانہ تصور کیے جاتے تھے،البتہ الغماری کوقوت حافظہ کی وجہ سے فوقیت حاصل تھی اور المحب کو اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے فضیلت تھی، وسعت معلومات اور ہمہ دانی کے اعتبار سے العز بن جماعہ کو چلتا پھرتا دائرۃ المعارف سمجھنا چاہئے اوراس باب میں ان کا کوئی ہمسر وشریک نہ تھا،العز کہا کرتے تھے کہ میں نے پندرہ ایسے علوم پڑھے ہیں کہ ہمعصر علماء ان علوم کے نام تک سے ناآشنا ہیں(۱۶)۔

تحصیل علم حدیث کا شوق:

حافظ ابن حجرؒ کو طالب علمی کے ابتدائی زمانہ ہی سے شعروشاعری کا بڑا شوق تھا،شعروادب کے اس شوق وشغف نے علم حدیث کے لیے زمین بڑی ہموار کردی تھی،طبیعت میں صحیح ذوق ادبیت پیدا ہو چکا تھا، جب علم حدیث پڑھنا لکھنا شروع کیا تو پھر کیا تھا کہ علم وعرفان کے دریچے وا ہوتے گئے ،فصاحت وبلاغت کے دریا بہنے لگے اور ادبیت نے اتنا زور مارا کہ نثر میں بھی شاعری ہونے لگی۔

حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ابن حجرؒ کے تحصیلِ علمِ حدیث کا زمانہ ۷۹۴ھ سے شروع ہوتا ہے(۱۷)مگر حافظ سخاویؒ کے نزدیک طلب حدیث کی ابتداء ۷۹۳ھ سے ہوتی ہے، البتہ انہماک و شغف اور شیفتگی ودلبستگی ۷۹۶ھ میں پیدا ہوئی(۱۸)بس پھر کیا تھا حدیث سننے، لکھنے، تخریج وتعلیق اور تصنیف وتالیف میں اس قدر منہمک ہوگئے کہ تالیف وتصنیف ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا(۱۹)،اتنا کام کیا اور اتنا نام پیدا کیا کہ اساتذہ، ہمعصر علماء اور تلامذہ سب سے خراج تحسین وصول کیا اور علم و تحقیق کے اس مقام تک پہنچ گئے کہ جہاں تک پہنچنے کے لیے عمرِ خضر درکار ہوتی ہے۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے جہاں کہیں علم حدیث کا دیا روشن دیکھا فوراً وہاں پہنچ کر مستفیض ہوئے،''السفر وسيلة الظفر'' کا مصداق بنتے ہوئے حصولِ علم کی خاطر قاہرہ، حرمین شریفین، اسکندریہ، بیت المقدس، خلیل، نابلس، رملہ، غزہ، یمن اور دیگر علاقوں تک کا سفر کیا۔

ابن العماد رقمطراز ہے کہ حافظ ابن حجر نے قاہرہ میں السراج البلقینی (۷۲۴-۸۰۵ھ)، حافظ ابن الملقن (۷۲۳-۸۰۴ھ) اور حافظ العراقی (۷۲۵-۸۰۶ھ) سے حدیث سنی (۲۰) اور فقہ سیکھی۔ بیت المقدس میں شمس الدین القلقشندی اور بدرالدین مکی سے، دمشق میں بدرالدین بن قوام البالسی (م:۸۰۳ھ)، فاطمہ بنت المنجا التنوخیه (م:۸۰۳ھ بعمر ۹۰ سال)، فاطمہ بنت عبد الهادی (م:۸۰۳ھ بعمر ۸۰ برس)، اور عائشہ بنت عبدالهادی (۷۲۳-۸۱۶ھ) سے حدیث سنی اور روایت کی، مؤخر الذکر سے تو روایت حدیث کے علاوہ بہت سی کتابیں بھی پڑھیں (۲۱)۔ مکہ مکرمہ میں بنت احمد القسطلانیه المکیه (م:۸۰۳ھ) سے تحدیث وافتا کی اجازت حاصل کی (۲۲) عائشہ بنت ابی بکر بن قوام البالیہ (م:۸۰۳ھ) سے حدیث سنی اور روایت کی (۲۳)۔ ام عمر کلیم بنت محمد رافع السلامی الدمشقیہ (م:۸۰۵ھ) سے بھی اجازتِ تحدیث حاصل کی (۲۴) سارۃ بنت علی بن الکافی السبکی (م:۸۰۵ھ بعمر ستر سال) سے سماعت حدیث کا شرف حاصل تھا (۲۵) اپنی استانی سارۃ کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں: سمعنا منها قديما (ہم نے ان سے بہت قدیم زمانے سے سماعت حدیث کی)۔

امام ابن حجر کی قرات وحدیث میں عجائبات:

قرأت حدیث میں عجیب عجیب کیفیات ان سے ظہور میں آئیں، سنن ابن ماجہ کو چار مجلسوں میں ختم کر دیتے تھے، صحیح مسلم کو چار مجلسوں میں یعنی دو روز اور چند ساعت میں تمام کر ڈالا، مجد الدین لغوی صاحبِ قاموس بھی جو ابن حجر کے شیخ تھے، صحیح مسلم کو بہت تیزی کے ساتھ پڑھتے تھے، دمشق میں ناصر الدین ابوعبداللہ محمد بن جہبل کو سنانے کے لئے باب النصر اور باب الفرج کے درمیان جو مزار نعل شریف نبوی ﷺ کے مقابل ہے، تین روز میں ختم کیا، چنانچہ اس پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرأت بحمد الله جامع مسلم — بجوف دمشق الشام كرش الإسلام

خدا کا شکر ہے میں نے جامع مسلم کو پڑھا — دمشق شام میں جو اسلام کا دل ہے

على ناصر الدين الإمام بن جهبل — بحضرة حفاظ مجاديع الاعلام

امام ناصر الدین بن جہبل کے روبرو — ایسے حفاظ کے حضور میں جو علماء کی حاجتوں کا مرکز ہے

وتم بتوفيق الاله و فضله — قراءة ضابط في ثلثة أيام

اور اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے تین دن میں — پورے ضبط کے ساتھ اس کی قرأت تمام ہوئی

سنن کبیر نسائی کو بھی شیخ ابن حجرؒ نے دس مجلسوں میں شرف الدین بن کویک کے روبرو پڑھا ہے، ہر مجلس چار ساعت نجومی کے قریب ہوتی تھی جو عرف ہندوستان میں دس دقیقہ کے برابر ہوتی ہے، معجم صغیر طبرانی کو بھی جس میں ایک ہزار پانچ سو حدیثیں مع اسناد مروی ہیں، ظہر وعصر کے مابین ایک ہی مجلس میں ختم کر ڈالا، صحیح بخاری کو دس مجلسوں میں پورا کیا اور ہر مجلس تقریبا ظہر سے عصر تک ہوتی تھی، غرض ان کے اوقات معمور تھے، کسی وقت خالی نہ بیٹھتے تھے، تین مشغلوں میں سے ایک شغل میں ضرور مشغول رہتے تھے، مطالعہ کتب، تصنیف وتالیف یا عبادت، دمشق میں دو ماہ دس دن تک قیام فرمایا اور اس مدت میں افادہ عام کی غرض سے کتب حدیث کی سو جلدیں پڑھیں اور تصنیف وتالیف و عبادت و دیگر ضروریات کو ان اوقات کے علاوہ انجام دیتے تھے، ان کے علم و وقت میں یہ برکت اور ان کی تصانیف کی اس قدر مقبولیت حضرت صنا قبریؒ کی جو مشہور صاحب کرامات ولی تھے دعا کی برکت سے تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ابن حجرؒ کے والد کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی وہ ایک دن شکستہ خاطر اور رنجیدہ دل ہو کر شیخ کی خدمت میں پہنچے تو شیخ نے فرمایا: تیری پشت سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو اپنے علم سے دنیا کو مالا مال کر دے گا (۲۶)۔

عقائد کی اصلاح ورد بدعات میں امام ابن حجر کی خدمات:

امام ابن حجرؒ نے عقائد کی اصلاح کے لئے ایک کتاب الشمس المنيرة لمعرفة الكبيرة لکھی اور بدعات کے رد میں تبيين العجب فيما ورد في فضل الرجب، امام موصوف نے اس کتاب میں ماہ رجب کی بدعات پر کاری ضرب لگائی ہے۔

تصانیف:

امام ابن حجرؒ کی تصانیف ڈیڑھ سو سے زائد ہیں، حافظ السخاوی نے الجواہر والدرر میں دوسو تہتر کتب کی فہرست دی ہے، ابن حجرؒ کی بہترین تصنیف یہی کتاب **فتح الباری بشرح صحیح البخاری** شمار ہوتی ہے، جس سے فراغت پر انہوں نے بہت خوشی منائی اور تقریباً پانچ سو دینار اس کے ولیمہ میں صرف کئے، ان کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

☆ تغليق التعليق ☆ اللباب في شرح قول الترمذي في الباب ☆ **اتحاف المهرة باطراف العشرة** ☆اطراف المسند المعتلي باطراف المسند الحنبلي. ☆تهذيب التهذيب ☆تقريب التهذيب ☆فوائد احتفال في بيان أحوال الرجال المذكورين في البخاري ☆طبقات الحفاظ ☆الكاف الشاف في تخريج أحاديث الكشاف ☆نصب الرايه في تخريج أحاديث الهدايه ☆هداية الرواة في تخريج أحاديث المصابيح والمشكوٰة ☆تخريجُ الاذكار ☆الإصابة في تمييز الصحابة ☆الأحكام لبيان ما في القرآن من الأبهام ☆نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر ☆ اس کی شرح نزهة النظر ☆النكت على ابن الصلاح ☆لسان الميزان ☆تبصير المنتبه بتحرير المشتبه ☆نزهة السامعين في رواية الصحابة عن التابعين ☆المجموع العام في آداب الشراب والطعام ودخول الحمام ☆الخصال المكفرة للذنوب المقدمة والمؤخرة ☆توالي التانيس بمعالي ابن إدريس ☆فهرس المرويات ☆نعم السنوح والأنوار بخصائص المختار ☆انباء الغمر بابناء العمر ☆الدرر الكامنة في أعيان أهل المائة الثامنة ☆بلوغ المرام من أدلة الأحكام ☆قوة الحجاج في عموم المغفرة للحجاج ☆معرفة الخصال الموصلة إلى الظلال ☆بذل الماعون بفضل الطاعون ☆ الامتناع بالأربعين المتباينة بشرط السماء ☆مناسك الحج ☆العشرة العشارية ☆الأربعون العالية لمسلم على البخاري في صحيحيهما ☆ديوان الشعر ☆ديوان الخطب الأزهري اور الأمالي الحديثية المطلقة جو عدد میں ہزار

مجلس سے زائد ہے(۲۷)۔

سلسلہ درس وتدریس اور املا وافتاء:

حافظ ابن حجرؒ کو حافظ ابن الملقن، سراج الدین البلقینی اور حافظ العراقی جیسی نابغہ روزگار شخصیات اور ان جیسے دیگر جلیل القدر اور عالی مرتبت علمائے وقت اور اساتذہ عصر سے درس و تدریس اور افتاء وتحدیث کی اجازت مل چکی تھی، لائق ترین اساتذہ کی رہنمائی وقیادت کے ساتھ ذاتی قابلیت اور ذہنی استعداد نے سونے پر سہاگے کا کام کیا، حافظ ابن حجرؒ کے جوہر چمکنے لگے اور ہر صبح کا سورج اپنے ساتھ ان کے لیے ایک نئی شہرت اور عزت لے کر طلوع ہوتا۔

حافظ ابن حجرؒ نے بہت سی درسگاہوں میں تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھائی۔ الحسنیہ اور المنصوریہ میں تفسیر قرآن کا درس دیا۔ البرسیہ، الجمالیہ، المستجدیہ، الحسنیہ، الزینیہ، الشخونیہ، جامع طولون اور القبۃ المنصوریہ میں درس حدیث دیا۔ الخروبہ البدویہ الشریفیہ الفخریہ، الشیخونیہ، الصالحیہ النجمیہ، الصلاحیہ، المؤیدیہ وغیرہ میں فقہ پڑھائی۔ البیبرسیہ کی مشیخت اور نظامت کے فرائض بھی انجام دیے۔ دارالعدل میں افتاء کا ذمہ دار عہدہ بھی قبول کیا۔ جامع الازہر اور جامع عمرو بن العاص میں خطابت بھی کرتے رہے۔ نیز المحمودیہ میں کتب خانے کے نگران کی حیثیت سے کام کیا(۲۸) ایک مرتبہ منصب قضا سے علیحدگی اختیار کی تو دار الحدیث الکاملیہ میں جا ڈیرے ڈالے(۲۹)۔ آپ ایسی ہمہ جہت شخصیت تھے کہ جس موضوع پر بات کرنا شروع کرتے ایسا لگتا تھا کہ اس میں ان کا تخصص ہے، طلبہ اور آپ کی مجلس کے خوشہ چین آپ کے علمی دلائل سن کر دنگ رہ جاتے۔

حافظ ابن حجرؒ کے درس واملاء کی شہرت دور دراز علاقوں تک پھیل گئی اور ہر جگہ ان کے علم و فضل کے چرچے ہونے لگے، دنیائے اسلام کے ہر گوشے سے طلباء بکثرت آپ کے حلقہ درس میں شمولیت کرنے لگے، حافظ موصوف کی فضیلت اور علمیت کا یہ حال تھا کہ ہر مدرسہ فکر کے اکابر علماء کو ان کے تلمذ اور شاگردی کا فخر حاصل تھا(۳۰)۔

حافظ ابن حجرؒ کی مجالسِ املاء میں شرکت کے لیے طالبان علمِ حدیث تمام اقطارِ اسلامی سے آتے، مصر کے اکثر وبیشتر علماء کو ان مجلسوں میں شریک ہونے کا شرف حاصل تھا، ابن العماد کے قول

کے مطابق حافظ ابن حجرؒ خانقاہ سیرسیہ میں بیس برس تک املا کراتے رہے(۳۱)۔

ایک مرتبہ حافظ ابن حجرؒ دمشق گئے، وہاں دو مہینے اور دس دن کام کیا، اس عرصہ میں کم و بیش ایک سو مجالس املاء کا انعقاد ہوا(۳۲)۔

حافظ ابن حجرؒ کے تلامذہ میں بہت سے مشہور مفسرین اور جید محدثین، فاضل فقہاء، نامور مؤرخین اور شہرہ آفاق سیرت نگار پیدا ہوئے، لیکن حافظ شمس الدین سخاویؒ تمام تلامذہ سے بڑھ گئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حافظ سخاوی کو سب سے زیادہ استفادے کا موقع ملا، وہ بچپن سے لے کر استاد کی وفات تک ان کی مجلس کے خوشہ چین رہے اور ہر فن اور ہر علم میں استاد کی رہنمائی حاصل کی(۳۳)۔

عہدہ قضاء:

حافظ ابن حجرؒ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں جنہیں علم وفضل کے ساتھ انتظامی اور انصرامی قابلیت سے بھی وافر حصہ ملا ہے، حافظ موصوف کو نظم ونسق کا خاص سلیقہ تھا، یہی وجہ تھی کہ مختلف اداروں میں انتظامی امور کو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

سخاویؒ کے قول کے مطابق حافظ ابن حجرؒ کم و بیش اکیس برس تک عہدہ قضاء پر فائز رہے، پہلی مرتبہ محرم ۸۲۷ھ میں منصب قضاء قبول کیا(۳۵) اس سے پہلے بھی یہی عہدہ کئی مرتبہ پیش کیا گیا، لیکن ہر بار قبول کرنے سے انکار کر دیا جاتا تھا(۳۶)۔ پھر رجب ۸۲۸ھ میں، پھر جمادی الاولیٰ ۸۳۴ھ میں، پھر ۸۵۰ھ، ربیع الآخر میں یہ منصب انہیں پھر پیش کیا گیا لیکن درس وتدریس اور تالیف وتصنیف اور ضعف پیری کے باعث بالآخر مجبوراً مستعفی ہو گئے۔

تنقید نگاری:

حافظ ابن حجرؒ کی تنقید بڑی کڑی ہوتی ہے، محدثین کے اصول کے پیش نظر حافظ موصوف کے نزدیک سیرت نگاری کا صرف یہی پہلو نہیں ہے کہ کسی شخص کے محاسن اور خوبیاں بیان کر دی جائیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ سیرت لکھتے وقت انسانی کمزوریوں اور بشری خامیوں کو بھی اس طرح اجاگر کر کے لکھا جائے جس طرح محامد ومحاسن کو، یہ اس لیے ضروری تھا کہ پڑھنے والا اس امر سے بخوبی اندازہ کر سکے کہ ایک آدمی علم ومعرفت اور عقل ودانش کے کتنے اونچے زینے پر پہنچ کر بھی

لغزشوں اور کوتاہیوں کا کیونکر شکار ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حافظ ابن حجرؒ سیرت نگار کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں تو لوگوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ان کی برائیاں اور عیب بھی گننے سے ذرا دریغ نہیں کرتے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے فاضل لوگ بھی ابن حجرؒ کی تنقید سے بچ نہ سکے۔

بعض لوگوں کو حافظ موصوف کا یہ انداز پسند نہیں ہے، انہوں نے حافظ کی سیرت نگاری کو دو گروہوں میں منقسم کر دیا ہے: ایک گروہ ان کے موافقین کا قرار دیا اور دوسرا مخالفین کا، چنانچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کی رائے اپنے موافقین کے حق میں صحیح اور قابل قبول ہے، لیکن جہاں تک مخالفین کے بارے میں ان کی رائے کا تعلق ہے تو وہ قابل اعتبار اور درخور اعتنا نہ سمجھنی چاہیے۔اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے حافظ ابن حجر کے ایک ہمعصر قاضی ابن الشحنہ (۸۰۴-۸۹۰ھ) اپنی کتاب شرح الھدایۃ کے شروع میں لکھتے ہیں: **لا تعویل علی تراجم ابن حجر لمخالفیه**، سید احمد رضا بجنوری ابن الشحنہ کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں: کسی حنفی متقدم یا متاخر کے حق میں بھی ان کے کلام پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا (۳۸)۔

شعر ادب کا شوق:

حافظ ابن حجر کو شعر و شاعری سے طبعی لگاؤ تھا، ابتداء میں شعر و سخن اور ادب و تاریخ میں بڑی دسترس حاصل کی، نویں صدی ھجری میں مصر میں سات چوٹی کے مشہور شاعر تھے، ہر ایک کا لقب شہاب الدین تھا، ابن حجر کو فضیلت اور درجے کے اعتبار سے ان میں دوسرا درجہ حاصل تھا، بعض سیرت نگاروں نے کہا ہے:

كان شاعرا طبعا ، محدّ ثا صناعة و فقيها تكلّفا

یعنی ابن حجر طبعا شاعر تھے، فن حدیث میں محنت کر کے آئے اور علم فقہ تکلفا حاصل کیا، جب علم حدیث کا چسکا لگا تو شوق و انہماک حدیث کے باعث شعر گوئی کی طرف توجہ کم ہوگئی۔

وفات:

حافظ ابن حجرؒ کی وفات ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ کو نماز عشاء کے تھوڑا عرصہ بعد واقع ہوئی (۳۹)۔ابن فھد نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ ذوالقعدہ ۸۵۲ھ

میں حافظ موصوف کو اسہال شروع ہو گئے، اسہال کے ساتھ خون کی آمیزش زیادہ ہوتی چلی گئی، یعنی پیچش نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی اور ۲۲ ذوالحجہ، ہفتہ کی شام کو نماز عشاء کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں: شاعر مصر شہاب الدین المنصوری (۷۹۸-۸۸۷ھ) نے مجھے بتایا کہ وہ ابن حجرؒ کے جنازہ میں شریک تھا۔ جب قبرستان کے قریب پہنچے تو ان کی میت پر آسمان بھی اشکبار تھا، حالانکہ یہ برسات کا موسم نہ تھا، اس موقع پر المنصوری نے یہ شعر کہے:

قد بکت السحب علی

قاضی القضاة بالمطر

وانهدم الركن الذی

کان مشیدا من حجر (۴۰)

(قاضی القضاۃ کی موت پر بادل بھی بارش کے ساتھ رو پڑے۔ اور وہ ستون جو پتھر کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا گر پڑا)۔

تعارف فتح الباری

کتاب کا نام:

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب کا نام "فتح الباری بشرح البخاری" رکھا (۴۱)۔ اسی نام کے ساتھ کتاب معروف و مشہور ہوئی، حتی کہ جب طالب علموں کے سامنے مطلق "فتح الباری" کا نام لیا جائے تو ان کا ذہن صرف علامہ ابن حجرؒ کی کتاب کی طرف ہی جاتا ہے۔

حافظ سخاوی (م: ۹۰۲ھ) نے ذکر کیا ہے کہ علامہ ابن حجرؒ سے قبل "فتح الباری" کے نام سے صحیح بخاری کی شرح ابن رجب حنبلی (م: ۷۹۵ھ) نے بھی لکھی ہے، لیکن وہ اس کو ابھی مکمل نہ کر پائے تھے کہ زندگی ساتھ چھوڑ گئی (۴۲)۔

حافظ علیہ الرحمۃ ابن رجب کی اس شرح سے مطلع تھے اور انہوں نے اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں دو مقامات پر ان سے نقل بھی کیا ہے(۴۳)۔اس کے باوجود حافظ سخاوی کہتے ہیں: ابن حجرؒاس پر مطلع نہیں تھے(۴۴)۔

ممکن ہے کہ اس سے ان کا مقصود یہ ہو کہ حافظ علیہ الرحمۃ اس بات پر مطلع نہ ہوں کہ ابن رجب کی شرح کا نام بھی ''فتح الباری'' ہے۔

اسی طرح شوکانی نے بھی ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کی ''فتح الباری'' سے قبل مجد الدین فیروزآبادی نے بھی ''فتح الباری'' کے نام سے صحیح بخاری کی ایک شرح لکھی ہے،شوکانی نے اس کا پورا نام''فتح الباری فی شرح صحیح البخاری '' لکھا ہے(۴۵)۔

حافظ سخاویؒ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے،لیکن انہوں نے مجد الدین فیروزآبادی (استاذِ ابن حجرؒ) کی اس شرح کا نام''فتح الباری بالسیح المسیح المجاری فی شرح صحیح البخاری '' لکھا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اپنے استاذ کی اس شرح پر مطلع تھے،لیکن اس کتاب سے انہوں نے کچھ نقل نہیں کیا،اس لیے کہ یہ عجیب وغریب روایات اور نادر لغوی تحقیقات سے بھری ہوئی تھی(۴۶)۔

''فتح الباری'' کی تالیف کا سبب:

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب''ھدی الساری ''(مقدمہ فتح الباری) کے شروع میں کہا ہے کہ صحیح بخاری بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس کو مسلمانوں کے ہاں قبولیت عامہ حاصل ہے(۴۷)، شاید وہ سبب یہی ہے جس نے امام حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو شرح لکھنے پر مجبور کیا۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ صحیح بخاری جیسی اہم کتاب کی ایسی شرح نہیں ہے جیسا کہ ہونی چاہیے، شاید اس بات نے حافظ علیہ الرحمۃ کو ایک مثالی شرح لکھنے پر مجبور کیا۔

علامہ ابن خلدون(م: ۸۰۸ھ) نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے:''صحیح بخاری'' کی شرح کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ''حدیث کے متعدد طرق کی معرفت رکھتا ہو،اس کے رجال کو بھی جانتا ہو،تراجم بخاری میں جو امام بخاریؒ کا فقہی نکتہ نظر ہے اس پر عمیق نظر رکھتا ہو۔ علامہ ابن خلدون

مزید لکھتے ہیں: میں نے اپنے بہت سے شیوخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''شرح البخاری دین علی الأمة ''یعنی صحیح بخاری کی شرح امت پر قرض ہے(۴۸)، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اس امت کے کسی عالم نے بھی صحیح بخاری کی شایانِ شان شرح نہیں لکھی۔

بعض علماء نے علامہ ابن خلدون کے اس کلام کے جواب میں کہا: ''لعلّ ذٰلك الدین قضٰی بشرح المحقّق ابن حجر ''یعنی شاید کہ ابن حجرؒ کی اس شرح سے وہ قرض اس امت کے علماء سے ادا ہو گیا(۴۹)۔ ممکن ہے کہ یہ وہ سبب ہو جس نے حافظ ابن حجرؒ کو ایسی بے مثال شرح لکھنے پر مجبور کیا۔

زمانہ تالیف:

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' کی تالیف میں چوتھائی صدی سے بھی زیادہ کا عرصہ صرف کیا، انہوں نے اس تالیف کا آغاز ۸۱۷ھ کے اوائل میں کیا اور یکم رجب المرجب ۸۴۲ھ کو اس کا اختتام کیا۔ بعد میں جو اس میں اضافے کیے ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں جو کہ ان کی وفات کے قریب تک چلتے رہے ہیں(۵۰)۔

طریقہ تالیف:

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب کی تالیف میں علمی شورائی طریقہ اختیار کیا ہے، انہوں نے تالیف کا آغاز املاء کے طریق سے کیا اور اسی میں تقریباً پانچ سال گزر گئے، پھر طالب علموں کی ایک ماہر جماعت آپ کے اردگرد جمع ہو گئی، اس عظیم شرح کی تالیف میں آپ کی رفیق کار بن گئی، پہلے حافظ علیہ الرحمۃ خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، پھر اس کے نوٹس تیار کیے جاتے، پھر طلبہ کے درمیان اس پر بحث ہوتی، ہر طالب علم اس سے نوٹس حاصل کرتا، ہفتہ میں ایک دن طلبہ جمع ہوتے اور تمام نوٹس کا تقابل کرتے، اگر کسی کے نوٹس میں کوئی کمی وکوتاہی ہوتی تو وہ اس کی درستگی کر لیتا، پھر اس پر مباحثہ ہوتا۔ اس طرح یہ علمی وتحقیقی سفر اپنی تکمیل کو پہنچا اور تحریری شکل میں بھی آ گیا اور اس کو قبولیت بھی حاصل ہو گئی(۵۱)۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے اس علمی شورائی طریقہ کو ترجیح دی، اگرچہ اس پر خاصا وقت صَرف ہوتا

ہے، مگر اس میں فوائد بہت تھے، حافظ علیہ الرحمۃ نے اسی طریقہ کو جاری رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کی تکمیل آسان فرمادی۔

''فتح الباری'' کا ولیمہ:

جب حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' کی تصنیف، تقابل اور مباحثہ سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس مناسبت سے آٹھ شعبان بروز ہفتہ ۸۴۲ھ کو ایک عظیم الشان دعوت کا اہتمام کیا، وہاں بڑے بڑے علماء، فضلاء، طالب علموں اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر کی موجوگی میں ''فتح الباری'' کا آخری درس ہوا، بلاشبہ یہ اس زمانہ کا ایک بہت بڑا اجتماع تھا، اس مناسبت سے اس اجتماع میں کتاب اور صاحبِ کتاب کی مدح میں بہت سارے اشعار اور نظمیں پڑھی گئیں، ہر شخص ابن حجرؒ کی تعریف میں رطب اللسان تھا، حافظ ابن حجرؒ نے اس دعوت پر پانچ صد دینار خرچ کیے (۵۲) اور ''فتح الباری'' تین صد دینار میں فروخت ہوئی (۵۳)۔

فتح الباری میں شرح کی نوعیت اور اس کا اسلوب

شرح کی نوعیت:

''فتح الباری'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک موضعی یا قولی شرح ہے، اس میں سند اور متنِ حدیث کے بعض مقامات کا انتخاب کرتے ہیں، پھر ایک لفظ یا عبارت کو ذکر کرتے ہیں اور اس کے شروع میں کلمہ ''قولہ'' ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد لفظ یا عبارت کی مختلف پہلوؤں سے تشریح کرتے ہیں۔

شرح کا اسلوب

ترجمہ کی حدیث الباب کے ساتھ مناسبت:

سب سے پہلے حافظ ابن حجرؒ ''صحیح بخاری'' کی حدیث اور باب کو ذکر کرتے ہیں، پھر ترجمہ کی حدیث الباب کے ساتھ مناسبت کو ذکر کرتے ہیں، اگرچہ وہ مناسبت معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

سند اور متن کے فوائد:

دوسرے نمبر پر حدیث الباب سے جو فوائد متن اور سند کے لحاظ سے حاصل ہوتے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں، پھر امام بخاریؒ کا جو اس باب سے مقصود ہے اس کو واضح کرتے ہیں، کہیں بظاہر سند میں تدلیس کا شائبہ ہو تو اس راوی کے سماع کی تصریح کرتے ہیں اور دلائل میں ائمہ رجال کے اقوال نقل کرتے ہیں، اگر حدیث الباب کی تخریج مسانید، جوامع اور مستخرجات کے کسی مصنف نے کی ہے تو اس کا بھی وہاں ذکر ضرور کرتے ہیں۔

تعلیق اور موقوف کو متصل کرنا:

''صحیح بخاری'' میں جہاں کہیں کوئی تعلیق یا موقوف حدیث مذکور ہے، حافظ ابن حجرؒ اس تعلیق یا موقوف حدیث کو موصولاً ذکر کرتے ہیں گویا کہ حافظ علیہ الرحمۃ ''صحیح بخاری'' کی تکمیل کرتے ہیں۔

الفاظ کی لغوی تحقیق:

حافظ ابن حجرؒ جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کرتے ہیں، لغوی تحقیق میں علماء لغت کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔

نحوی وصرفی تحقیق:

حافظ علیہ الرحمۃ حدیث کے الفاظ کی صرفی اور نحوی تحقیق بھی کرتے ہیں اور لفظا کا اعراب بھی بیان کرتے ہیں، لغوی تحقیق کے وقت عربی اشعار سے اشتھاد بھی پیش کرتے ہیں۔

حدیث الباب سے فقہی احکام کا اخذ:

حدیث الباب سے جس قدر بھی فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں، اگر ان احکام فقہ میں فقہاء کا اختلاف ہو تو اس کو بھی بیان کرتے ہیں اور وجہ اختلاف کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ فقہی احکام میں شوافع کو ترجیح دیتے ہیں اور دلائل سے دیگر فقہی مسالک کا ردّ بھی کرتے ہیں۔

ظاہری تعارض کی صورت میں تطبیق:

جہاں کہیں بھی دو حدیثوں کے درمیان ظاہری تعارض نظر آ رہا ہو تو اس میں تطبیق دینے کی

کوشش کرتے ہیں یا پھر وضاحت کرتے ہیں کہ یہ ناسخ ہے، یہ منسوخ ہے، یا اس کے عام سے بعض افراد کو خاص کرلیا گیا ہے، یا مطلق کو مقید کرلیا گیا ہے، یا مجمل کو بیان کردیا گیا ہے، یا ظاہر کی تاویل کرلی گئی ہے۔

تکرارِ متن کی حکمت کا بیان:

اگر دو بابوں میں متنِ حدیث کا تکرار ہو تو اس کی حکمت بیان کرتے ہیں، تکرار کی حکمت جو ذکر کرتے ہیں اس کا اعادہ نہیں کرتے بجز اس کے کہ لفظوں اور معنی میں تغایر ہو تو بس اس تغایر پر تنبیہ کردیتے ہیں (۵۴)۔

امتیازی خصوصیات ''فتح الباری''

حافظ ابن حجرؒ کی شرح جن چیزوں میں دیگر شروح سے ممتاز ہوتی ہے وہ بہت ہیں، ان سب کا احاطہ ممکن نہیں ہے، میری نظر میں اس کی جو اہم خصوصیات ہیں وہ درج ذیل ہیں:

صحیح بخاری کے نسخوں میں رواۃ کے لفظی اختلاف کا بیان:

حافظ ابن حجرؒ مقدمہ میں لکھتے ہیں: فَرَبْری نے ذکر کیا ہے کہ ''امام بخاریؒ سے الصحیح کا سماع نوے ہزار افراد نے کیا ہے اور میرے علاوہ امام بخاریؒ سے روایت کرنے والا کوئی شخص باقی (زندہ) نہیں ہے''۔ حافظ مزید لکھتے ہیں: فربری نے جو اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ بخاری کو روایت کرنے والا میرے علاوہ کوئی اور شخص زندہ نہیں ہے۔ یہ (دعویٰ) ان کے علم کے مطابق ہے، وگرنہ ان کی وفات کے بعد بخاری کے ایک اور راوی ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی بن قرینہ بزدوی نو سال زندہ رہے ہیں (۵۵)۔

الصحیح کو روایت کرنے والے اصحابِ خمسہ:

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں: الصحیح البخاری ہم تک مندرجہ ذیل طرق سے متصل ہے:

۱۔ ابوعبداللہ محمد بن یوسف فَرَبْری (متوفی: ۳۲۰ھ)، انہوں نے الصحیح کا سماع دو مرتبہ کیا ہے، ایک مرتبہ فربر (۵۶) میں ۲۴۸ھ میں اور ایک مرتبہ بخاریٰ میں ۲۵۲ھ میں۔

۲۔ ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی (م:۲۹۴ھ)۔

۳۔ حماد بن شاکر نسوی (م:۳۱۱ھ)۔

۴۔ ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی بن قرینہ بَزدوی (م:۳۲۹ھ)، یہ آخری شخص ہیں جنہوں نے امام بخاریؒ سے الصحیح کو روایت کیا ہے، اسی بات کا جزم ابن ماکولا وغیرہ نے کیا ہے۔

۵۔ اس کے بعد جو شخص بغداد میں زندہ رہا، جس نے بخاری سے روایت کیا، وہ قاضی حسین بن اسماعیل محاملی (م:۳۳۰ھ) ہے، لیکن اس کے پاس الجامع الصحیح نہیں تھی، امام بخاریؒ جس وقت بغداد آئے تو قیام بغداد کے آخری زمانے میں محاملی نے امام بخاریؒ سے سماع کیا ہے، جس نے بھی الصحیح کو محاملی کے طریق سے روایت کیا ہے اس نے فحش غلطی کا ارتکاب کیا ہے(۵۷)۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے جس شخص کی فحش غلطی کا ذکر کیا ہے اس سے مراد امام کرمانیؒ ہیں(۵۸) محاملی حافظ ابن حجرؒ اور امام کرمانی کے مابین مختلف فیہ ہیں(۵۹)۔

فربری سے روایت کرنے والے اصحاب:

اس زمانہ میں روایات کا مدار فربری ہیں(۶۰)، حافظ علیہ الرحمۃ مقدمہ میں لکھتے ہیں: اس زمانہ میں اور اس سے قبل کے زمانہ میں صحیح بخاری جس طریق سے ہم تک متصل ہے وہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری (م:۳۲۰ھ) کا طریق ہے(۶۱) پھر ایک جمِ غفیر نے فربری سے الصحیح کو روایت کیا ہے۔ فربری کی روایت ہم تک مندرجہ ذیل اشخاص سے متصل ہے:

۱۔ حافظ ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن السَکَن (م:۳۵۳ھ)۔

۲۔ حافظ ابواسحاق ابراہیم بن احمد المستملی (م:۳۷۶ھ)۔

۳۔ ابونصر احمد بن محمد بن احمد الأخُسِیکَثی (م:۳۷۶ھ)۔

۴۔ فقیہ ابوزید محمد بن احمد المروزی (م:۳۷۱ھ)۔

۵۔ ابوعلی محمد بن عمر بن شَبُّوْیَہ۔

۶۔ ابواحمد محمد بن محمد الجرجانی (م:۳۷۳ھ)۔

۷۔ ابومحمد عبداللہ بن احمد السَّرَخسی۔

۸۔ ابو الھَیْثَم محمد بن مکی الکُشْمَیْھَنِیْ (م:۳۸۹ھ)۔

۹۔ ابوعلی اسماعیل بن محمد بن حاجب الکُشّانی (م:۳۹۱ھ)۔

یہ آخری شخص ہیں جنہوں نے الصحیح کو فربری سے روایت کیا ہے(۶۲)۔

رواۃِ فربری سے روایت کرنے والے اصحاب:

رواۃ فربری سے روایت کرنے والے اصحاب درج ذیل ہیں:

۱۔ ابن السکن سے روایت کرنے والے عبداللہ بن محمد اسد الجھنی ہیں۔

۲۔ مستملی کے راوی حافظ ابوذرّ عبداللہ بن احمد الھَرَوی (م:۴۳۴ھ) اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ الھمدانی ہیں۔

۳۔ الأخسیکثی سے روایت کرنے والے اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل الصفار الزاھد ہیں۔

۴۔ ابوزید مروزی سے روایت کرنے والے حافظ ابونعیم الاصبھانی، حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم الأصیلی اور امام ابوالحسن علی بن محمد القابسی ہیں۔

۵۔ ابوعلی الشبوی سے روایت کرنے والے سعید بن احمد بن محمد الصیر فی العَیّار اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ الھمدانی ہیں۔

۶۔ ابواحمد الجرجانی سے روایت کرنے والے ابونعیم اور القابسی ہیں۔

۷۔ ابوذر مستملی کے علاوہ السرخسی سے بھی روایت کرتے ہیں، ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن المظفر الداودی السرخسی سے روایت کرنے والے ہیں۔

۸۔ کشمیھنی سے روایت کرنے والے بھی ابوذر ہیں اور ابو سھل محمد بن احمد الحفصی اور کریمۃ بنت احمد المروزیۃ ہیں۔

۹۔ کُشانی سے روایت کرنے والے ابوعباس جعفر بن محمد المستغفری ہیں(۶۳)۔

رواۃِ بخاری پر ابن حجرؒ کی عمیق نظر:

فتح الباری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کی رواۃِ صحیح بخاری پر بڑی عمیق نظر تھی، تقریباً ہر باب میں حافظ علیہ الرحمۃ رواۃِ بخاری کے مابین لفظی اختلاف کو بیان کرتے

ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فتح الباری کی تصنیف کے وقت صحیح بخاری کے تمام نسخے ان کے پیش نظر تھے، جب حافظ علیہ الرحمۃ رواۃِ بخاری کے لفظی اختلاف کو ذکر کرتے ہیں تو کسی نسخہ میں اگر کوئی خطاء، تصحیف، تحریف یا اسقاط ہے تو وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے، نیز حافظ علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری کے اثبت واتقن راویوں پر اعتماد کیا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

یہ فتح الباری کی ایسی خصوصیت ہے جو اس کو دیگر شرحوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔

حدیث کے طرق کا بیان:

حافظ علیہ الرحمۃ شرح میں تمام طرق کا لحاظ رکھتے ہیں، ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس مضمون سے متعلق تمام روایات اور شواہد کو جمع کر دیتے ہیں، بسا اوقات معنیٰ اور اعراب کے اعتبار سے کسی ایک احتمال کو بھی ترجیح دے دیتے ہیں۔

جب حافظ ابن حجرؒ تمام طرق کو جمع کرتے ہیں تو متنِ حدیث میں جو معمولی سا بھی لفظی اختلاف ہوتا ہے اس کو بیان کر دیتے ہیں۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے خود اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حدیث کی حدیث سے شرح کرنا اولیٰ ہے، وہ کہتے ہیں: ''........ حدیث کی گفتگو کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ حدیث کے تمام طرق کو جمع کرے، پھر اگر وہ طرق صحیح ہوں تو الفاظِ متون کو جمع کرے اور اس کی شرح اس بنیاد پر کرے کہ وہ ایک ہی حدیث ہے، حدیث کی حدیث سے تفسیر کرنا زیادہ مناسب ہے'' (٦٤)۔

یہ ''فتح الباری'' کی ایسی خصوصیت ہے جو اس کو دیگر شروع سے ممتاز کر دیتی ہے اور قاری کو یکجا مواد مل جاتا ہے (٦٥)۔

''صحیح بخاری'' پر کیے گئے تحقیقی کام کا تنقیدی جائزہ:

ابن حجرؒ سے قبل ''صحیح بخاری'' پر جس قدر بھی کام ہوا، خواہ وہ شرح کے اعتبار سے ہو یا اطراف کے لحاظ سے، مستخرجات کے اعتبار سے ہو یا **جمع بین الصحیحین** کے اعتبار سے، خواہ کسی نے رجالِ بخاری پر کام کیا ہو یا رجالِ شیخین پر، خواہ اس کام کی نوعیت تراجم بخاری کی ہو یا احادیث صحیح بخاری کے متابعات کی، اسی طرح محدثین، فقہاء، اصولیین، مؤرخین اور علماء لغت میں

سے کسی نے ''صحیح بخاری'' کے متعلق کوئی تحقیقی کام کیا ہے یا اس کی احادیث کی شرح کی ہے تو حافظ علیہ الرحمۃ نے ان حضرات کے اس کام کو ''میزانِ تحقیق'' میں تولا ہے، اگر ان کو کہیں سقم نظر آیا ہے تو اس پر تنبیہ بھی کی ہے اور اس کا ردّ بھی کیا ہے۔ اس سے حافظ کی وسعت علمی، جلالتِ شان اور دقتِ نظری کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تحقیق کے آسمان میں انتہائی بلند جگہ پر بیٹھے ہیں۔

دقیق اور نادر علمی مباحث:

حافظ علیہ الرحمۃ ''صحیح بخاری'' کی دقیق اور نادر علمی مباحث کو اتنی سلاست اور سہل انداز میں حل کرتے ہیں کہ قاری ان کو دیکھ کر عش عش کر اٹھتا ہے۔

فتح الباری کے مآخذ و مراجع:

حافظ ابن حجرؒ نے قدیم علماء، محدثین اور فقہاء کرام کی کتب سے خوب استفادہ کیا ہے، اس میں بے شمار مختلف علوم وفنون کی کتب شامل ہیں۔ جب حافظ علیہ الرحمۃ شرح لکھتے وقت ان حضرات سے اقوال وآراء نقل کرتے ہیں تو اس کا حوالہ ضرور دیتے ہیں اور کہتے ہیں: قال فلان ، یا اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس بات کا اہتمام انہوں نے پوری کتاب میں کیا، ویسے بھی اس بات کا خیال رکھنا علمی امانت کا حصہ ہے۔ بلاشبہ یہ فتح الباری کی ایک امتیازی خصوصیت ہے، میں نے مناسب خیال کیا کہ ان مصادر و مراجع کا ذکر کر دوں جن سے حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں استدلال کیا ہے اور ان پر اعتماد کیا ہے، وہ مراجع مختلف فنون سے متعلق ہیں، چند کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

کتب تفسیر القرآن الکریم:

۱۔ "تفسیر عبدالرزاق "عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیریؒ، ابوبکر الصنعانی (م:۲۱۱ھ)۔

۲۔ "تفسیر الطبری" ، محمد بن جریر بن زید، ابوجعفر (م:۳۱۰ھ)۔

۳۔ "تفسیر ابن ابی حاتم"، ابن ابی حاتم رازی۔

۴۔ ''المفردات فی غریب الفاظ القرآن ''، امام راغب اصفہانی، حسین بن محمد بن فضل (م:۵۰۲ھ)

ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ان میں سے ایک ''الذّریعة إلی مکارم الشریعة'' ہے۔

۵۔ ''تفسیر البغوی''، حسین بن مسعود بن محمد الفرّاء، أبومحمد (م:۵۱۰ھ)۔ان کی تفسیر کا نام ''معالم التنزیل'' ہے اور انہوں نے بہت سی مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ان کی ایک مشہور کتاب ''شرح السنة'' بھی ہے۔

۶۔ ''الکشاف''، زمخشری، محمود بن عمر بن محمد بن عمر، ابوالقاسم (م:۵۳۸ھ)۔

۷۔ ''مختصر تفسیر الرازی''، تونسی۔

۸۔ ''تفسیر الشمس اصبھانی''، محمود بن عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد، شمس الدین ابوالثناء الاصبھانی الشافعی (م:۷۴۹ھ)۔

کتب حدیث اوران کی شروحات:

حافظ ابن حجرؒ نے بہت سی احادیث کی کتب اوران کی شروحات سے استفادہ کیا ہے، خصوصاً صحیحین (بخاری ومسلم) کی شروحات سے بہت سی اشیاء نقل کی ہیں۔اہم کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ ''الجامع''، امام ابوعیسیٰ ترمذی، یہ ''سنن ترمذی'' کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ ''صحیح ابن حبان''۔

۳۔ ''مستخرج الاسماعیلی''، احمد بن ابراہیم بن اسماعیل الجرجانی، ابوبکر اسماعیلی (م:۳۷۱ھ)۔

۴۔ ''شرح صحیح البخاری''، خطابی، حمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی، ابوسلیمان البستی (م:۳۸۸ھ) ان کی بہت سی مفید تصانیف ہیں۔ان کی شرح کا نام ''اعلام السنن'' ہے، یہ صحیح بخاری کی پہلی مشہور شرح ہے۔

۵۔ ''شرح صحیح البخاری''، داؤدی، ابوجعفر احمد بن سعید الداؤدی (م:۴۰۲ھ)۔ان کی شرح کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ خطابی کی شرح کا ذیل ہے اور انہوں نے اس کا نام ''النصیحة'' رکھا ہے۔

۶۔ ''شرح صحیح البخاری'' مھلّب، ابن ابی صفرة الأزدی الأندلسی (م:۴۳۵ھ)۔

۷۔ ''شرح صحیح البخاری''، ابن بطّال، ابوالحسن علی بن خلف بن بطّال القرطبی،

المالکی (م:۴۴۹ھ)۔

۸۔ ''شرح صحیح البخاری''، قاضی ابوبکر عربی، محمد بن عبداللہ بن محمد الإشبیلی (م:۵۴۳ھ)۔

۹۔ ''شرح صحیح البخاری''، ابن التین، ابومحمد عبدالواحد بن التین السفاقسی (م:۶۱۱ھ)۔

انہوں نے اس کا نام ''المخبر الفصیح فی شرح البخاری الصحیح'' رکھا ہے۔

۱۰۔ ''شرح صحیح البخاری''، ابن المُنَیّر، علی بن محمد بن منصور بن قاسم الجذامی (م:۶۹۵ھ)۔

۱۱۔ ''شرح صحیح البخاری''، کرمانی، حافظ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (م:۷۸۶ھ)

ان کی کتاب کا پورا نام ''الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری''۔ یہ فتح الباری کا بڑا ماخذ ہے۔ علامہ ابن حجرؒ کہیں کہیں کرمانی کی گرفت کرتے ہیں اوران پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔

۱۲۔ ''شرح صحیح مسلم''، مازری، محمد بن علی بن عمر التمیمی، أبوعبداللہ المازری، الصقلی (م:۵۳۶ھ) ان کی کتاب کا نام ''المعلم بفوائد مسلم''، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح مسلم کی پہلی شرح ہے۔

۱۳۔ ''شرح صحیح مسلم''، قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمر الیحصبی، ابوالفضل السبتی الاندلسی (م:۵۴۴ھ)۔ ان کی شرح کا نام ''الإکمال فی شرح مسلم'' ہے۔

۱۴۔ ''المفهم فی شرح صحیح مسلم''، قرطبی، احمد بن عمر بن ابراہیم انصاری، ابو العباس، ضیاء الدین القرطبی (م:۶۵۶ھ)۔ یہ ابن مزین کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ مسلم کی بڑی عمدہ شرح ہے۔

۱۵۔ ''شرح صحیح مسلم''، امام نوویؒ۔

۱۶۔ ''معالم السنن''، خطابی۔ یہ ''سنن ابی داوٗد'' کی شرح ہے۔

۱۷۔ ''شرح الترمذی''، عراقی۔ یہ ابن حجر کے استاذ ہیں۔

۱۸۔ ''التمھید''، ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النّمری، ابوعمر القرطبی (م:۴۶۳ھ)۔ یہ کتاب مؤطا امام مالک کی شرح ہے، اس کا نام ''التمهید لما فی المؤطا من المعانی والأسانید'' ہے۔

۱۹۔ ''مشکل الحدیث''، ابن فورک، محمد بن حسن بن فورک الانصاری، ابو بکر الاصبہانی (م:۴۰۶ھ)۔

۲۰۔ ''شرح المشکوٰۃ''، طیبی، حسین بن محمد بن محمد بن عبداللہ الطیبی (م:۷۴۳ھ)۔اس شرح کا نام ''الکاشف عن حقائق السّنن'' ہے۔حافظ ابن حجر نے اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔

۲۱۔ ''المحدث الفاصل''، الرامہر مزی۔

کتب عقائد:

۱۔ ''الایمان''، امام ابوعبید قاسم بن سلام البغدادی (م:۲۲۴ھ)۔

۲۔ ''الرّد علی الجهميّة''، نعیم بن حماد بن معاویہ خزاعی، ابوعبداللہ المروزی (م:۲۲۸ھ)۔ انہوں نے فرقہ جہمیّہ پر شدید رد کیا ہے۔

۳۔ ''الفتن''، یہ بھی نعیم بن حماد کی ہے۔

۴۔ ''الایمان''، امام احمد بن حنبل الشّیبانی (م:۲۴۱ھ)۔

۵۔ ''السنّة''، یہ بھی امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب ہے۔

۶۔ ''خلق افعال العباد''، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م:۲۵۶ھ)۔

۷۔ ''السنَة''، حرب بن اسماعیل کرمانی (م:۲۸۰ھ) یہ امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد ہیں۔

۸۔ ''النقض علی بشر المریسی''، امام عثمان بن سعید الدارمی (م:۲۸۰ھ)۔

۹۔ ''السنَة''، ابن ابی عاصم الشیبانی (م:۲۸۷ھ)۔

۱۰۔ ''السنة''، عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ الشیبانی، ابوعبدالرحمٰن (م:۲۹۰ھ)۔

۱۱۔ ''السنة''، الخلال، احمد بن محمد بن ہارون، ابوبکر البغدادی، الحنبلی (م:۳۱۱ھ)۔

۱۲۔ ''التوحید''، امام ابوبکر بن خزیمہ (م:۳۱۱ھ)۔

۱۳۔ ''الرّد علی الجهمية''، ابن ابی حاتم، عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی، ابومحمد الرازی (م:۳۲۷ھ)۔

۱۴۔ ''السنة''، امام ابوقاسم الطبرانی (م:۳۶۰ھ)۔

۱۵۔ ''الایمان''، ابن مَندہ۔

۱۶۔ ''الرّوح''، یہ بھی ابن مَندہ کی کتاب ہے لیکن یہ ناپید ہو چکی ہے۔

۱۷۔ "السنة"، ابوقاسم اللالکائی، ھبۃ اللہ بن حسن بن منصور الطبری الرازی (م:۴۱۸ھ)۔

۱۸۔ ''الفرق بین الفِرق''، استاذ ابومنصور عبدالقاھر ابن طاھر التمیمی البغدادی (م:۴۲۹ھ)۔

۱۹۔ ''الفصل فی الملل والنحل''، ابن حزم، علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی الظاھری (م:۴۵۶ھ)۔

۲۰۔ ''الاسماء والصفات''، بیہقی، احمد بن حسین بن علی، ابوبکر البیهقی (م:۴۵۸ھ)۔

۲۱۔ ''الاعتقاد''، یہ بھی امام بیہقی کی کتاب ہے۔

۲۲۔ ''البعث والنشور''، یہ بھی امام بیہقی کی کتاب ہے۔

۲۳۔ ''حیات الانبیاء فی قبورهم''، یہ بھی امام بیہقی کی کتاب ہے۔

۲۴۔ ''شرح الاسماء الحسنیٰ''، ابوقاسم القشیری، عبدالکریم بن ھوازن بن عبدالملک خراسانی نیشاپوری (م:۴۶۵ھ)۔

۲۵۔ ''الارشاد''، امام الحرمین، اس کتاب کا پورا نام ''الإرشاد إلی قواطع الأدلة فی أصول الإعتقاد'' ہے۔

۲۶۔ ''الرسالة النظامیّة''، یہ بھی امام الحرمین کی کتاب ہے۔

۲۷۔ ''الشّامل فی اصول الدین''، یہ بھی امام الحرمین کی کتاب ہے۔

۲۸۔ ''الفاروق''، ابواسماعیل الھروی۔

۲۹۔ ''الحجة''، ابوقاسم التیمی، اسماعیل بن محمد بن فضل بن علی القرشی التیمی الاصبھانی (م:۵۳۵ھ) یہ قوام السنہ کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کی کتاب کا پورا نام ''الحجة فی بیان المحجة وشرح عقیدة أهل السنة'' ہے۔

۳۰۔ ''شرح الاسماء الحسنیٰ''، فخر رازی، محمد بن عمر بن حسن القرشی، التیمی، البکری (م:۶۰۶ھ) یہ ابن خطیب کے لقب سے مشہور ہیں۔

۳۱۔ ''المطالب العالية''، یہ بھی فخر رازی کی کتاب ہے اور ''علم الکلام'' میں ہے۔

۳۲۔ ''أبكار الافكار''، آمدی، علی بن محمد بن سالم الثعلبی، ابوالحسن سیف الدین الآمدی (م:۶۳۱ھ)

۳۳۔ ''العقیدہ''، شیخ شہاب الدین السہروردی، عمر بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد البکری، البغدادی، ابوحفص (م:۶۳۲ھ)۔ان کی ایک کتاب کا نام ''عوارف المعارف'' ہے جو تصوف میں ہے۔

۳۴۔ ''العقیدہ''، ابن دقیق العید، محمد بن علی بن وهب القشیری، تقی الدین ابوالفتح (م:۷۰۲ھ)۔

۳۵۔ ''الردّ علی الرافضی''، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اس کتاب کا پورا نام ''منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة القدرية'' ہے۔

۳۶۔ ''الردّ الصحيح على من بدّل دين المسيح''، یہ بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ہے۔

۳۷۔ ''حادی الأرواح''، ابن قیم۔

۳۸۔ ''الروح''، یہ بھی ابن قیم کی کتاب ہے۔

۳۹۔ ''مفتاح دار السعادة''، اس کے مصنف بھی ابن قیم ہیں۔

۴۰۔ ''شرح العقائد''، شیخ سعدالدین تفتازانی، مسعود بن عمر بن عبداللہ (م:۷۹۳ھ)۔

دیگر موضوعات کی کتب:

۱۔ ''القواطع''، ابومظفر بن سمعانی، منصور بن محمد بن عبدالجبار بن احمد التمیمی المروزی (م:۴۸۹ھ)۔

۲۔ ''الوسیط''، امام غزالی۔

۳۔ ''الشفاء''، قاضی عیاض، اس کتاب کا پورا نام ''الشفاء بتعريف حقوق المصطفى'' ہے۔

۴۔ ''الشرح الکبیر''، الرافعی۔

۵۔ ''نتائج الفکر''، سہیلی، ابوقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی اندلسی (م:۵۸۱ھ)۔

۶۔ ''القواعد''، ابن عبدالسلام، عبدالعزیز بن عبدالسلام بن قاسم، عزالدین، ابومحمد السلمی (م:۶۶۰ھ) ان کی کتاب کا پورا نام ''قواعد الاحكام فی اصلاح الانام'' ہے۔

۷۔ "فتاوی الشیخ محی الدین"، یہ امام نووی کے فتاویٰ جات ہیں۔

۸۔ حافظ ابن حجر نے بہت سی جگہوں پر ''ابن الجوزی'' کا حوالہ دیا ہے، لیکن کسی معین کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا جبکہ ابن جوزی کی بہت ساری کتابیں ہیں۔

علم بلاغت کا استعمال:

حافظ ابن حجرؒ احادیث کی تشرح کرتے ہوئے اس کے بلیغانہ پہلو کو اجاگر کرتے ہیں اور جگہ جگہ ایجاز، اطناب، جناس تام اور جناس اشتقاقی جیسی دیگر علم فصاحت و بلاغت کی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حافظ علیہ الرحمۃ استعارات کا استعمال بھی بڑی مہارت سے کرتے ہیں۔

حسنِ ترتیب:

حافظ علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب میں اوّل تا آخر ایک ہی اسلوب پر چلے ہیں، کتاب کی ابتداء سے انتہاء تک ایک ہی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، طولِ مدت اور تغیر احوال نے ان کی حسنِ ترتیب میں کوئی خلل نہیں ڈالا، اس سے ان کی استقامت اور مستقل مزاجی کا پتہ چلتا ہے، اتنی طویل مدت میں کتاب کو ایک ہی اسلوب پر چلانا بڑا معنی رکھتا ہے، امتداد زمانہ اور تغیر احوال کے سامنے بڑے بڑے مصنفین کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ اپنی کتاب کو ایک ہی اسلوب پر نہ چلا سکے۔

خاتمہ:

حافظ علیہ الرحمۃ ''صحیح بخاری'' کی ہر کتاب کے اختتام پر ایک ''خاتمہ'' ذکر کرتے ہیں، اس میں اس کتاب میں مذکور احادیث کی تعداد کو ذکر کرتے ہیں، ان میں سے مرفوع کتنی ہیں اور موقوف کتنی ہیں؟ معلق اور مکرر کتنی ہیں؟ اور امام مسلمؒ نے امام بخاریؒ کی ان احادیث کی تخریج میں کتنی کی موافقت کی ہے، اسی طرح حافظ نے ''فتح الباری'' کا اختتام بھی ایک خاتمہ کے ساتھ کیا ہے جس میں انہوں نے ''صحیح بخاری'' میں مکرر، موصولا اور تعلیقاً جتنی بھی احادیث مذکور ہیں ان کی تعداد کا ذکر کیا ہے، متابعت میں کتنی احادیث مذکور ہیں؟ موصولاً اور تعلیقاً احادیث جو بغیر تکرار کے ہیں ان کی تعداد،

کتنی ایسی معلق احادیث ہیں جو ''صحیح بخاری'' میں دوسری جگہ موصولاً ہیں، اور جو موصولاً نہیں ہے ان کی تعداد کیا ہے؟ امام مسلمؒ نے کتنی احادیث کی تخریج میں امام بخاریؒ کی موافقت کی ہے،؟ اور صحابہ کرام وتابعین سے مرفوع موقوف آثار کی تعداد کتنی ہے؟

یہ (مندرجہ بالا) ''فتح الباری'' کی ایسی امتیازی خصوصیات ہیں جس کی وجہ سے حافظ ابن حجرؒ کی حیات ہی میں ''فتح الباری'' کی شہرت چار دانگِ عالم میں پھیل گئی اور اس کو قبولیت عامہ حاصل ہوگئی۔ اس زمانے میں ''فتح الباری'' تین صد دینار میں فروخت ہوئی تھی۔

فتح الباری میں ابن حجر کے تسامحات

انسان کا کام جتنا بھی اہم ہو، اس کے اندر جس قدر بھی دقتِ نظری اور مہارت ہو لیکن وہ نقص سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے کہ انسان پیدا ہی نقص پر ہوا ہے وہ ہر حال میں خطا کرتا ہے اور کامل مطلق ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، انسان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی خوبیاں اس کی خامیوں پر غالب ہوں جیسا کہ کہا جاتا ہے ''انسان کی عظمت کیلئے یہ بات کافی ہے کہ اُس کے عیب کم ہوں''۔

''فتح الباری'' اپنی بے شمار خوبیوں کے باوجود اپنے دامن میں کچھ خامیاں بھی لیے ہوئے ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنے سے قبل بڑے بڑے علماء، محدثین اور فقہاء کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور ان کی غلطیوں پر ردّ کیا ہے اسی طرح حافظ علیہ الرحمۃ کے قلم سے بھی بتقاضائے بشریت کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔

''فتح الباری'' میں علامہ ابن حجرؒ کی چند تسامحات کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے:

حوالہ جات کی عدم تکمیل:

حافظ ابن حجرؒ جب مکرر احادیث کی تشریح کرتے ہیں تو ان کا منہج یہ ہے کہ ہر جگہ میں مقصدِ بخاریؒ کے متعلق تشریح کرتے ہیں اور حدیث کے باقی حصّہ کی تشریح دوسری جگہ میں کرتے ہیں، علامہ ابن حجرؒ ایک جگہ حدیث کی تشریح کرتے ہیں اور باقی حدیث کی شرح کا آئندہ یا گذشتہ کسی مقام میں

کرنے کا حوالہ دیتے ہیں لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس مخصوص جگہ میں وہ حوالہ موجود نہیں ہوتا۔ یہ ان کے منہج میں بہت بڑا نقص ہے(٦٦)۔

''فتح الباری'' میں جو یہ نقص پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ خود بھی اس سے آگاہ تھے، وہ اس نقص کو دور کرنے کی خواہش بھی رکھتے تھے لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔

حافظ سخاویؒ نے نقل کیا ہے کہ خود امام ابنِ حجرؒ نے بھی اس تشنگی کا اعتراف کیا، وہ اکثر فرماتے تھے ''میں پسند کرتا ہوں کہ ان حوالوں کو پورا کردوں جو میں نے خود ذکر کیے ہیں لیکن ان کو حوالہ کی جگہ پر ذکر نہیں کیا یا یہ کہ میں نے اس کو کسی اور جگہ ذکر کیا ہے، اس لیے میرا فرض ہے کہ میں ایسی جگہوں کی تصحیح کروں'' (٦٧)۔

تکرارِ مباحث:

حافظ ابن حجرؒ جب مکرر احادیث کی تشریح کرتے ہیں تو ایک جگہ میں جو مباحث ذکر کرتے ہیں پھر وہی مباحث دوسری جگہ میں بھی ذکر کردیتے ہیں اور کچھ اضافہ کردیتے ہیں۔

یہ حافظ علیہ الرحمۃ کے منہج کے خلاف ہے جو انہوں نے خود ذکر کیا ہے کہ وہ تکرارِ مباحث نہیں کرتے۔ لیکن بہت کم جگہوں میں ایسا ہوا ہے (٦٨)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت قائم کرتے ہوئے جھول:

بلاشبہ حافظ ابن حجرؒ حدیث الباب کی عنوان کے ساتھ مناسبت قائم کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں جھول بھی نظر آتا ہے۔ جہاں حافظ علیہ الرحمۃ متقدمین کی آراء کو نہ صرف ردّ کرتے ہیں بلکہ سخت قسم کی تنقید بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں عنوان ''باب السمر بالعلم'' قائم کیا ہے جس کے تحت دو احادیث لائے ہیں۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت قائم کرتے ہوئے محقق علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

١۔ ابن منیرؒ کے نزدیک حضورؐ کا ارشاد ''نَامَ الغُلَیِّم'' (چھوکرا سو گیا؟) موضع ترجمہ ہے کہ یہی رات کی بات ہوگئی، جس کے لیے ترجمہ صحیح و مطابق ہے۔

٢۔ بعض نے کہا کہ ابن عباسؓ جو رات میں دین سیکھنے کی غرض سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

احوال دیکھتے رہے یہی محل ترجمہ ہے اور یہی سمر ہے (۶۹)۔

۳۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے جو ابن عباسؓ کو نماز تہجد میں بائیں سے داہنی طرف کیا، گویا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو فرمایا "قف علی یمینی" (میری دائیں جانب کھڑے ہو جاؤ) اور گویا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا "وقفت" (چنانچہ میں کھڑا ہو گیا)۔ اس طرح ان کا یہ فعل قول کے بمنزلہ ہو گیا۔

۴۔ علامہ کرمانیؒ نے مزید کہا کہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اقارب ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ان میں موانست کی باتیں ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی تو سب باتیں دینی و علمی فوائد ہی ہوتے تھے، لہذا مستبعد ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عشاء کے بعد دولت کدہ پر تشریف لائیں اور اپنے قریبی عزیز حضرت ابن عباسؓ کو گھر میں دیکھ کر اجنبی محسوس کریں اور ان سے اجنبی جیسا معاملہ کریں کہ کوئی بات بھی ان سے نہ کریں (۷۰)۔

حافظ ابن حجرؒ کے بلا جواز اعتراضات:

حافظ ابن حجرؒ نے ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد کہا: **وکل ما ذکرہ معترض** یعنی یہ تمام توجیہات قابل اعتراض ہیں، کیونکہ ایک کلمہ کہنے والے کو سامر نہیں کہا جاتا، حضرت ابن عباسؓ کے ترقبِ احوال کو سہر (بیداری) کہہ سکتے ہیں، سمر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ سمر کا تعلق قول سے ہوتا ہے فعل سے نہیں، تیسری صورت سب سے زیادہ بعید ہے کیونکہ سو کر اٹھنے پر جو بات ہوتی ہے وہ سمر نہیں کہلاتی۔ اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے چوتھی توجیہِ کرمانی لکھ کر اس پر کوئی خاص نقد نہیں کیا اور پھر اپنی رائے اس طرح لکھی:

"ان سب توجیہات سے بہتر یہ ہے کہ ترجمہ کی مناسبت اسی حدیث الباب کے دوسرے لفظ سے ہے، جو امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں کریب کے طریق سے روایت کی ہے، اس کے الفاظ ہیں: "**فتحدث رسول اللہ ﷺ مع اهله ساعة**"، اس طرح بحمد اللہ ترجمہ بھی صحیح ہو گیا اور کسی بے محل تاویل اور ظنی و تخمینی اٹکل کے تیر بھی چلانے نہیں پڑے، امام بخاریؒ کی عادت بھی ہے کہ ایسا بہت کرتے ہیں تاکہ ناظرین بخاری کو تتبع طرقِ حدیث کی عادت ڈالیں اور مواقع الفاظ رواۃ

کو پہچانیں، کیونکہ حدیث کی تفسیر وتشریح حدیث ہی سے کرنا، اس سے بہتر ہے کہ اس میں قسم قسم کے گمان گھما کر مراد تلاش کی جائے''(۷۱)۔

حافظ عینیؒ کے جوابات:

حافظ عینیؒ نے حافظ کا مذکورہ بالا نقد اور مفصل رائے نقل کر کے اس پر تبصرہ سپر دقلم کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: معترض مذکور کے سارے اعتراضات قابل نقد ہیں کیونکہ سمر کے معنی رات کے وقت بات کرنا ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اس میں یہ قید کہاں سے لگ گئی کہ ایک کلمہ کہے تو وہ سمر نہیں ہے ''سمر'' کے ابتدائی معنی رات کے وقت باتیں کرنے یا رات کا کوئی حصہ نیند کے سوا دوسرے کام میں گزارنے کے ہیں، حافظ عینیؒ نے چند محاورات بھی نقل کیے ہیں مثلاً ''سمر القوم الخمر ''(لوگوں نے رات شراب پینے میں بسر کی)''سامر الإبل ''(اونٹ رات کے وقت چرتا رہا)، یہ بھی کہا جاتا ہے ''إن ابلنا تسمر ''(ہمارا اونٹ رات کے وقت چرتا ہے) اس کے بعد کچھ رات گئے یا عشاء کے بعد سے قصہ گوئی کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، کیونکہ عرب کے لوگ اس کے عادی تھے، رات کے وقت شراب کی مجلس اور قصہ گوئی ہوتی تھی۔ اس سارے کلام سے ابن منیر کی رائے بے غبار ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے ترتیبِ احوال کو سمر قرار نہ دینا بھی عربیت کے محاورات سے تغافل ہے، کیونکہ سمر کا اطلاق قول وفعل دونوں پر ہوتا ہے(اس کی مثالیں اوپر لکھی جا چکی ہیں) اور تیسری توجیہ کو بعید تر قرار دینا سب اعتراضات سے زیادہ بے جان ہے، کیونکہ سونے کے بعد اٹھ کر سمر نہ قرار دینا اہل لغت کے خلاف ہے(وہ تو رات کی ہر بات کو سمر کہتے ہیں، ان کے نزدیک کوئی قید قبل و بعدِ نوم کی نہیں ہے) بلکہ ایک لحاظ سے جس توجیہ مذکور کو حافظ علیہ الرحمہ نے بعید تر قرار دیا ہے وہ قریب تر ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس صغیر السن تھے، بظاہر حضور ﷺ نے فعلی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا ہوگا بلکہ قولی تعلیم بھی دی ہوگی (۷۲)۔

بے محل طنز وتعلیل پر علامہ عینیؒ کی گرفت:

پھر اس بعید سے زیادہ بعید تر وہ بات ہے جو حافظ نے بطور طنز وتعلیل لکھی کہ'' حدیث کی

تفسیر حدیث سے کرنا اٹکل کے تیر چلانے سے بہتر ہے' سبحان اللہ! یہاں حدیث کی تفسیر کا کیا موقع ہے، یہاں تو صرف ترجمہ عنوانِ باب کی حدیث سے مطابقت زیر بحث ہے، حدیث کی تفسیر حدیث سے یہاں کس نے کی؟ جو قابل مدح ہوگئی، اور حدیث کی تفسیر ظن وتخمین سے کس نے کی؟ جس پر طنز کیا گیا، ہاں! اس کے جواب میں اگر ہم حافظ علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہیں کہ انہوں نے دوسروں پر رجم بالظن کیا تو زیادہ صحیح ہے(۷۳)۔

حافظ ابن حجرؒ کا احناف کے ساتھ تعصب:

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الوضوء میں ایک عنوان 'باب لا یستنجی بروث' قائم کیا ہے، اس کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ رفع حاجت کے لیے گئے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تین پتھر تلاش کر کے لاؤں، مجھے دو پتھر ملے، تیسرا ڈھونڈا مگر نہیں مل سکا، تو میں نے خشک گوبر کا ٹکڑا اٹھالیا، ان کو لے کر آپ ﷺ کے پاس لے گیا، آپ ﷺ نے پتھر (تو) لے لئے (مگر) گوبر پھینک دیا اور فرمایا: ''یہ ناپاک شیء ہے''(۷۴)

امام طحاویؒ کا استدلال:

اس مذکورہ بالا حدیث سے امام طحاویؒ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر تین کا عدد واجب وضروری ہوتا تو حضور اکرم ﷺ تیسرا پتھر تلاش کرنے کا حکم ضرور فرماتے یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہی مزید اہتمام فرماتے(۷۵)۔

بظاہر امام موصوف کا حدیث الباب سے استدلال قائلین وجوبِ تثلیثِ احجار کے مقابلہ میں بہت قوی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا نقد:

اس موقعہ پر حافظ علیہ الرحمۃ نے عجیب انداز سے بحث کی ہے، ایک طرف انہوں نے اس حدیث سے حضرت امام طحاویؒ کے استدلال کو محل نظر کہا ہے اور دوسری طرف تین کے عدد کو شرطِ صحت

استنجاء قرار دینے والوں کو بھی حدیث الباب کے استدلال سے مایوس کر دیا ہے۔

حافظ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: امام طحاویؒ نے جو استدلال کیا ہے وہ محل نظر ہے، مزید کہتے ہیں: امام طحاویؒ اس حدیث سے غافل رہے ہیں جس کی تخریج امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں معمر عن ابی اسحاق عن علقمۃ عن ابن مسعود کے طریق سے کی ہے، اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں ''**فألقى الروثة وقال: إنها ركس ائتني بحجر** ''(آپ ﷺ نے گوبر پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس ہے ایک پتھر اور لاؤ)(۷۶)۔

پھر حافظ علیہ الرحمہ نے لکھا: اس کے سب رجال ثقہ وثبت ہیں اور معمر کی متابعت بھی ابو شعبہ واسطی نے کی ہے، وہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن ان دونوں کی متابعت عمار بن زریق نے کی ہے جو ابواسحاق سے روایت میں ثقہ ہیں، اگر کہا جائے کہ ابواسحاق کا سماع علقمہ سے نہیں ہے تو اس حدیث کا سماع قوت حاصل ہونے پر اس کو حجت مانتے ہیں (۷۷)۔

محقق عینیؒ کا جواب:

حافظ عینیؒ کہتے ہیں: امام طحاویؒ سے غفلت نہیں ہوئی بلکہ غفلت منسوب کرنے والوں سے ہی غفلت ہوئی ہے، وجہ یہ ہے کہ امام طحاویؒ کے نزدیک ابواسحاق کا علقمہ سے عدم سماع محقق ہے، لہذا یہ روایت مذکورہ تحقیق سے منقطع ہے جس پر محدثین اعتماد نہیں کرتے، پھر ابو شیبہ واسطی ایسے ضعیف کی متابعت سے فائدہ اٹھانا اور اس کا ذکر اس مقام میں پسند کرنا تو ایسے شخص کیلئے کسی طرح بھی موزوں نہیں جو حدیث دانی کا دعویٰ کرتا ہو (۷۸)۔

حضرت انور شاہ کشمیری صاحبؒ کا جواب:

حضرت انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں: حافظ (علیہ الرحمۃ) نے امام طحاویؒ پر تو اعتراض کیا ہے مگر امام ترمذیؒ پر نہیں کیا، حالانکہ انہوں نے بھی اس حدیث پر ترجمہ ''**باب الاستنجاء بالحجرين** '' قائم کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی زیادتی مذکور کو قبول نہیں کیا (۷۹)۔

اگر یہ زیادتی محدثین کے معیار پر صحیح ہوتی، جس کا ذکر حافظ علیہ الرحمۃ نے کیا ہے تو امام ترمذی اس کو کسی طرح بھی نظر انداز نہ کرتے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ شافعی المسلک بھی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ حافظ ابن حجرؒ کی طرح ہر موقع سے اپنے مذہب کی تائید اور حنفیہ وغیرہم کی تردید لازمی وضروری نہیں سمجھتے۔ امام نسائیؒ بھی باوجود شافعی المسلک ہونے کے حدیث الباب (حدیثِ ابن مسعود) کو ''باب الرخصة فی الاستطابة بحجرین'' کے تحت ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی مذکورہ زیادتی کو محدثانہ نقطہ نظر سے قبول نہیں کیا۔ امام ابوداؤد نے ''باب الاستنجاء بالاحجار'' کا عنوان دے کر حضرت عائشہؓ کی حدیث ذکر کی، جس میں ہے ''تین ڈھیلوں سے نظافت حاصل کی جائے کیونکہ وہ اس کے لیے کافی ہوتے ہیں''، پہلے یہ حدیث ذکر کر کے دوسری حدیث لائے ہیں جس میں تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کا مطلقاً حکم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ معین عدد والا حکم صرف اس لیے ہے کہ غالب احوال میں وہ کافی ہوتا ہے اور تثلیث کا حکم وجوبی نہیں ہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور امام مزنی شافعی (جانشین امام شافعیؒ) کا مذہب بھی یہی ہے۔

امام بخاریؒ نے عنوان ''باب الاستنجاء بالحجارة'' کے تحت حدیثِ ابی ہریرہؓ روایت کی، جس میں تثلیث کا ذکر نہیں ہے اور ''باب لا یستنجی بروث'' میں یہی حدیث دو پتھروں والی ذکر کی، پھر اس کے علاوہ بھی ان ابواب میں کہیں وہ احادیث نہیں لائے جو شوافع وغیرہم کا مستدل ہیں۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود امام بخاری، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام نسائی علیھم الرحمۃ محدثانہ نقطہ نظر سے امام طحاویؒ اور حنفیہ و مالکیہ و مزنی شافعی کے مسلک کو راجح سمجھتے ہیں اور تثلیث کو واجب قرار نہیں دیتے (واللہ اعلم بالصواب) نیز استدلالِ طحاویؒ پر ابن حجرؒ کی تنقید باوجود ان کی جلالت شان کے ہمارے لیے حرف آخر نہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ احناف پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ احادیث کی بجائے رائے پر عمل کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ احناف جو بھی بات کرتے ہیں سب سے پہلے قرآن پھر حدیث کو حجت جانتے ہیں جیسا کہ حجرین پر اکتفاء کرنے والی حدیث ہے۔

امام بخاریؒ کو کلی طور پر شافعی المسلک ثابت کرنے کی کوشش:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوضوء میں ایک باب ''باب من لم یر الوضوء إلا

من المخرجين القبل والدبر الخ '' قائم کیا ہے جس کے تحت چند آثار ذکر کیے ہیں:

ترجمہ کے متعلق شاہ ولی اللہ کی رائے:

اس باب میں امام بخاریؒ نواقضِ وضوء بیان کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ترجمہ دو جزو سے مرکب ہے، ایک جزو ایجابی ہے اور دوسرا سلبی، جزو ایجابی یہ ہے: کل ما خرج من السبیلین فهو ناقض للوضوء معتاداً کان أو غیرَ معتاد، قلیلا کان أو کثیراً یعنی سبیلین سے جو چیز نکلتی ہے وہ ناقضِ وضوء ہے، خواہ وہ معتاد اور طبعی طریقے پر نکلے اور خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، ایسے ہی جزو سلبی یہ ہوگا: عدم وجوب الوضوء من غیر ما خرج یعنی ما خرج من السبیلین کے غیر سے وضوء لازم نہیں، اس سلسلہ میں امام بخاریؒ نے مختلف آثار پیش کیے ہیں، بعض کا تعلق ایجابی جزو سے ہے اور بعض کا سلبی سے (۸۰)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نواقضِ وضوء کے سلسلہ میں نہ پورے طور پر شوافع سے متفق ہیں، نہ بہمہ وجوہ مالکیہ کے ہم نوا ہیں اور نہ کلی طور پر احناف کے مخالف ہیں، بلکہ اس سلسلہ میں خود امام بخاریؒ کی مستقل رائے ہے، وہ کہتے ہیں: قے، نکسیر، خون، پیپ، مسِ مرأۃ اور مسِ ذَکر ناقضِ وضوء نہیں ہیں۔ شروع کی چار چیزوں میں وہ احناف کے مخالف ہیں اور مسِ مرأۃ و مس ذکر میں وہ شوافع کے مخالف ہیں، اس لیے کہ امام بخاری کے نزدیک نواقض، سبیلین سے نکلنے والی چیزوں میں منحصر ہیں، دودة من الدبر اور قملة من الذكر مالکیہ کے یہاں نواقض نہیں جبکہ امام بخاریؒ ان کو ناقض قرار دیتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کو شوافع کی موافقت میں کرنے کی کوشش:

جب امام بخاریؒ نے نواقض کو ما خرج من السبیلین میں منحصر مان لیا تو حافظؒ کو فکر ہوئی اور انہوں نے ترجمہ کو شوافع کی موافقت میں کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ بدن سے نکلنے والی چیزوں میں جو چیزیں ناقض قرار دی گئی ہیں وہ صرف سبیلین سے متعلق ہیں یعنی یہاں بحث صرف ان نواقض سے ہے جو بدن سے خارج ہوں، رہے وہ نواقض جن میں کوئی چیز خارج نہیں ہوتی بلکہ وہ بغیر خروج ہی کے ناقض ہیں جیسے مس مرأۃ اور مس ذکر تو وہ دائرہ بحث سے خارج ہیں (۸۱)۔

اس طرح حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کو شوافع کے ساتھ ملانا چاہا ہے مگر یہ ان کا محض خیال ہے، کیونکہ امام بخاریؒ نے تو لا مستم النساء کی تفسیر بھی جامعتم النساء کے ساتھ ذکر کی ہے۔

نیز یہ کہ سلسلہ نواقض وضوء میں مس مرأۃ پر کوئی ترجمہ رکھا نہ مس ذکر پر۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری ان دونوں کو نواقض وضوء میں شمار نہیں کرتے، اس لیے وہ بات اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اس سلسلہ میں امام بخاریؒ کی ایک مستقل رائے ہے، وہ احناف، موالک اور شوافع میں سے کلی طور پر کسی کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: اس مقام پر بعض شراح بخاری امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ تحقیقی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ (مس مرأۃ اور مس ذکر کے ناقض وضوء ہونے) میں امام بخاریؒ کی مستقل رائے ہے، وہ شوافع سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور مس مرأۃ و مس ذکر کو نواقض وضوء میں شمار نہیں کرتے (۸۲)۔

شاید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اس سے مراد حافظ ابن حجرؒ کی طرف ہیں، اس لیے کہ حافظ ابن حجرؒ جہاں کہیں بھی دیکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی رائے شوافع کے خلاف ہے، بالخصوص جس وقت ان کی رائے علماء احناف کے ساتھ متفق ہو تو وہ امام بخاریؒ کی رائے و مسلک کو شوافع کے ساتھ ملانے کے لیے اس قسم کی تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہر حال ان کو بشری تسامحات کے باوجود کہ جن سے کوئی بھی انسان منزہ نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اتنی خوبیوں کے مالک ہیں کہ ان خوبیوں نے ان کوتاہیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ صحیح بخاری کی درجنوں شروح لکھی گئی ہیں، مگر جو شہرت اور قبولیت عامہ "فتح الباری" کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کا مقدر نہ بن سکی۔

☆........O........☆

حوالہ جات

(۱) ابن عماد حنبلی، ابو الفلاح عبد الحی (م:۱۰۸۹ھ)، شذرات الذهب فی اخبار من

ذهب، المکتبۃ التجاری بیروت، ج ۷، ص ۲۷۰۔

☆ وابن تغری بردی، جمال الدین یوسف، **النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرہ**، المؤسسۃ المصریۃ العامہ
قاہرہ (۱۳۸۳ھ - ۱۹۲۳م)، ج ۷، ص ۳۲۶

(۲) السیوطی، عبدالرحمان بن ابی بکر (م: ۹۱۱ھ)، **نظم العقیان فی اعیان العیان**، مطبع سوریہ نیویارک، ص ۱۴۵۔

(۳) السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمان، **الضوء الامع لاھل القرن التاسع**، دارمکتبۃ الحیاۃ بیروت لبنان، ج ۱، ص ۳۶۔

(۴) شذرات الذھب، ج ۷، ص ۲۷۰۔

(۵) الشوکانی، محمد بن علی، **البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع**، الطبعۃ الاولی ۱۳۴۸ھ، ج ۱، ص ۸۷۔

(۶) ابن فہد مکی، تقی الدین ابوالفضل محمد بن محمد، **لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ**، مکتبہ التوفیق دمشق (۱۳۴۷ھ)، ص ۳۲۶۔

(۷) نظم العقیان، ص ۴۵۔

(۸) لحظ الالحاظ، ص ۳۲۶۔

(۹) **الضوء اللامع**، ج ۱، ص ۳۶۔

(۱۰) لحظ الالحاظ، ص ۳۲۶۔

(۱۱) ایضاً، ص ۳۲۶۔

(۱۲) الضوء اللامع، ج ۱، ص ۳۶۔

(۱۳) ایضاً، ج ۱، ص ۳۶۔

(۱۴) لحظ الالحاظ، ص ۳۲۶۔

(۱۵) ایضاً، ص ۳۲۶۔

(۱۷) ذیل طبقات الحفاظ للذہبی، ص۳۸۰ (ذیول ثلاثہ)۔

(۱۸) الضوء اللامع، ج ۱، ص۳۷۔

(۱۹) نظم العقیان، ص۴۵۔

(۲۰) لحظ الالحاظ، ص۳۲۷۔

(۲۱) شذرات الذھب، ج ۷، ص۲۷۱۔

(۲۲) ایضاً، ج ۷، ص۲۸۔

(۲۳) ایضاً، ج ۷، ص۲۳۔

(۲۴) ایضاً، ج ۷، ص۵۲۔

(۲۵) ایضاً، ج ۷، ص۵۰۔

(۲۶) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص۳۰۶۔

(۲۷) السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمان، **الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر**، دار ابن حزم بیروت لبنان، الطبع الاولی ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م، ج۲، ۶۶۰-۶۹۵ء۔

(۲۸) الضوء اللامع، ج۱، ص۳۸-۳۹۔

(۲۹) شذرات الذھب، ج ۷، ص۲۷۱۔

(۳۰) الضوء اللامع، ج ۱، ص۳۹۔

(۳۱) شذرات الذھب، ج ۷، ص۲۷۱۔

(۳۲) لحظ الالحاظ، ص۳۲۷۔

(۳۳) ایضاً۔

(۳۵) الضوء اللامع، ج۱، ص۳۸۔

(۳۶) البدر الطالع، ج۱، ص۹۲۔

(۳۸) بجنوری، سید احمد رضا، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ

ملتان، ج۱ص۱۲۴۔

(۳۹) النجوم الزاھرۃ، ج۷،ص۳۲۶؛ شذرات الذھب، ج۷،ص۲۷۳۔

(۴۰) لحظ الالحاظ،ص۳۲۷۔

(۴۱) فتح الباری، ج۱ص۵۔

(۴۲) الجواہر والدرر، ج۲،ص۶۷۵۔

(۴۳) دیکھئے فتح الباری (۱/۲۷۶) و(۱۱/۳۴۰)۔

(۴۴) الجواہر والدرر، ج۲،ص۶۷۵۔

(۴۵) البدر الطالع، ج۱ص۸۹۔

(۴۶) الجواہر والدرر، ج۲،ص۶۷۵۔

(۴۷) ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، هدی الساری مقدمه فتح الباری، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱م،ص۱۶۔

(۴۸) ابن خلدون، مقدمہ العلامہ ابن خلدون، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان (الطبعہ الرابعہ ۱۳۹۸ھ)،ص۴۴۳۔

(۴۹) حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب کراچی، (ت ن)، ج۱،ک ۵۴۷۔

(۵۰) الجواہر والدرر، ج۲،ص۶۷۵۔

(۵۱) ایضاً، ج۲،ص۶۷۶۔

(۵۲) الجواہر والدرر، ج۲،ص۷۰۳-۷۰۴۔

(۵۳) کشف الظنون، ج۱،ک ۵۴۸۔

(۵۴) هدی الساری،ص۱۶۔

(۵۵) هدی الساری،ص۴۹۱۔

(۵۶) فربر بخاریٰ کی ایک بستی کا نام ہے۔

(۵۷) فتح الباری، ج ا ص ۵۔
(۵۸) زکریا کاندھلوی، شیخ الحدیث، الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری، مؤسسة الخليل الاسلاميه فیصل آباد، ۱۴۱۹ھ، ج ا ص ۲۷۴۔
(۵۹) الکنز المتواری، ج ا ص ۲۷۵۔
(۶۰) الکنز المتواری، ج ا ص ۲۷۷۔
(۶۱) ھدی الساری، ص ۴۹۱۔
(۶۲) فتح الباری، ج ا ص ۵۔
(۶۳) فتح الباری، ج ا ص ۶۔
(۶۴) فتح الباری، ج ۶ ص ۴۷۵۔
(۶۵) کشف الظنون، ج ا ک ۵۴۷۔
(۶۶) اسحاق کندو، منہج الحافظ ابن حجر العسقلانی فی العقیدة من خلاله لکتابه "فتح الباری"، مکتبة الرشید الریاض، الطبعة الاولی ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸م، ج ا ص ۱۶۰-۱۶۱۔
(۶۷) الجواہر والدرر، (ق ۱۶۴/أ) بحوالہ منهج الحافظ ابن حجر العسقلانی، ج ا ص ۱۶۰-۱۶۱۔
(۶۸) منہج الحافظ ابن حجر العسقلانی، ج ا ص ۱۶۲۔
(۶۹) عینی، علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ادارة الطباعة المنيرية مصر، (ت،ن) ج ۲ ص ۱۷۷۔
(۷۰) کرمانی، صحیح ابی عبداللہ البخاری بشرح الکرمانی، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان، طبعة ثانیہ، ۱۴۰۱-۱۹۸۱، ج ۲ ص ۱۳۴۔
(۷۱) فتح الباری، ج ا ص ۲۱۳۔
(۷۲) عمدة القاری، ج ۲ ص ۱۷۸۔
(۷۳) ایضاً۔
(۷۴) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار السلام للنشر والتوزیع

الریاض، الطبعة الثانیة ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م، حدیث نمبر ۱۵۶، ص ۳۲۔

(۷۵) طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة، شرح معانی الآثار، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵م، ج۱، ص ۸۶۔

(۷۶) احمد بن حنبل، امام، مسند الامام احمد بن حنبل، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، الطبعة الثانیة ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م، ج۲، ص ۳۰، حدیث نمبر ۴۲۸۷۔

(۷۷) فتح الباری، ج۱، ص ۲۵۷۔

(۷۸) عمدة القاری، ج۲، ص ۳۰۵۔

(۷۹) انور شاہ کشمیری، علامہ، فیض الباری علی صحیح البخاری، مجلس علمی ڈابھیل بھارت، الطبعة الاولی ۱۳۵۷ھ-۱۹۳۸م، ج۱، ص ۲۶۰۔

(۸۰) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، احمد بن عبدالرحیم، رسالة شرح تراجم ابواب صحیح البخاری، دائرة المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، ۱۳۶۸ھ-۱۹۴۹م، ص ۲۷۔

(۸۱) فتح الباری، ج۱، ص ۲۸۰۔

(۸۲) رسالة، ص ۲۷۔

☆.......O.......☆